پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی رجحانات

(۱)

اڈیٹر برہان کا یہ مقالہ گذشتہ مارچ میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی زیر صدارت اسلامک ہسٹری کانگرس کے پہلے جلسہ منعقدہ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھا گیا تھا اب اسے جوں کا توں برہان میں شائع کیا جا رہا ہے۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ جب تک عرب دوسری قوموں سے الگ تھلگ رہے۔ علمی ذوق سے بھی محروم رہے۔ پھر اسلام نے بھی اس راہ میں ان کی کوئی رہنمائی نہیں کی، رہنمائی کرنا درکنار، رینان[۱] نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ اسلام اور علم دونوں جمع ہی نہیں ہو سکتے" لیکن جب اسلامی فتوحات کے باعث عربوں کا اختلاط عجمیوں کے ساتھ ہوا تو اب ان قوموں کے اثر سے مسلمانوں میں بھی علمی ذوق پیدا ہونے لگا۔ اسی ذوق کی ترقی کا نتیجہ تھا کہ عہد بنو عباس میں علوم و فنون کے چشمے ابلے اور گھر گھر علم و ادب کا چرچا ہوا۔ مسلمانوں پر سکندریہ کے کتب خانہ کو جلا ڈالنے کا جو الزام لگایا گیا ہے اس کی بنیاد بھی یہی بدگمانی ہے کہ مسلمانوں نے علوم و فنون میں جو امتیاز حاصل کیا وہ بحیثیت مسلمان ہونے کے نہیں بلکہ قدیم تہذیب و تمدن کی مالک قوموں کے ساتھ میل جول سے حاصل کیا۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی باقاعدہ ترتیب و تدوین دوسری صدی ہجری کے وسط یعنی ۱۴۵ھ کے بعد سے ہوئی لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلمان ان شاندار علمی کارناموں میں کسی خارجی

---

[۱] ارنسٹ رینان ۱۸۲۳ء کو پیدا ہوا اور ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ نہایت متعصب مبلغ مسیحیت تھا۔

اور بیرونی اثر کے منت پذیر ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ بنو عباس کے عہد میں جو کچھ ہوا اس کی داغ بیل پہلے ہی پڑ چکی تھی اور مسلمانوں نے پرانے علوم وفنون کی ترتیب وتدوین اور بعض نئے علوم کی ایجاد وابداع کے سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ اس ذوقِ جستجو اور جذبۂ تلاش کا طبعی نتیجہ تھا جو اسلام نے اپنے پیرووں میں پیدا کردیا تھا اور جس کے باعث مسلمان ہر ایک حقیقت کو علمی زاویۂ نگاہ سے دیکھنے اور اسے علمی تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی ہوگئے تھے۔

علم کی اہمیت قرآن میں، قرآن مجید میں جس کثرت سے علم کی فضیلت واہمیت کا بیان ہوا ہے غالباً دنیا کی کوئی اور آسمانی کتاب اس بارہ میں قرآن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ سب سے بڑھکر یہ ہے کہ "فرشتوں اور حضرت آدمؑ کے قصہ میں" وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" اور آدمؑ کو تمام نام بتا دیئے تھے" فرما کر یہ حقیقت ثابت کردی کہ فرشتوں پر آدمؑ کی فضیلت کا سبب "علم" ہی تھا۔ خاص علم سے جو آیات متعلق ہیں ان کو چھوڑ کر ایسی آیات بھی بکثرت ہیں جن میں عقل وفہم سے کام لینے، حقائقِ اشیاء کو معلوم کرنے، اور کائناتِ عالم کو بنگاہِ غور دیکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کے ساتھ واقعۂ سفر بیان کرکے یہ بھی بتا دیا گیا کہ علم حاصل کرنے کی راہ میں کیسی کیسی صعوبتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایک طالبعلم کو انھیں کس طرح انگیز کرنا چاہیئے اور اپنے استاذ ومعلم کے ساتھ اسے کس ادب واحترام سے پیش آنا چاہیئے۔

قرآن مجید کی طرح کثرت سے احادیث بھی ہیں جن میں علم کی فضیلت واہمیت اور اس کے شرف کو بیان کرکے اسے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں معلم اور متعلم کے لئے مختلف آداب وشرائط بھی بتا دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ طالب علم کو علم کسی دنیوی غرض سے نہیں سیکھنا چاہیئے۔ طلبِ علم میں جو صعوبتیں پیش آئیں ان سے دلگرفتہ ہوکر جدوجہد ترک نہ کردینی چاہیئے۔ طلبِ علم کی جدوجہد آخر دم زیست تک جاری رہنی چاہیئے۔ علم ہر زمانہ کے اکابر علماء سے حاصل کرنا چاہیئے۔ پھر معلم کے لئے ضروری ہے کہ جو بات اس کو معلوم ہے اس کے بتلانے میں بخل سے کام نہ لے۔ اور جس چیز کا اُسے

علم نہیں ہے اس کی نسبت صاف کہدے کہ مجھے معلوم نہیں ورنہ اس کو عذاب الیم ہوگا۔ ہر سُنی سنائی بات کو چلتا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کو نقل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے صدق وصحت کی پوری تحقیق کرلی جائے۔ معلم کو متعلم پر زیادہ تشدد نہیں کرنا چاہئے اور اسے تعلیم بے معاوضہ دینی چاہئے۔[۱]

علم کی اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن" حکمت مومن کی متاعِ گمشدہ ہے" فرما کر علم وحکمت کی تحصیل کو ایمان کا مقتضائے طبعی قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیت ہی یہ بتائی ہے کہ آپ معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں" [۲]

علوم مفیدہ و غیر مفیدہ کا فرق ہاں! اس میں شبہ نہیں کہ اسلام میں علومِ مفیدہ اور غیر مفیدہ کا فرق ضرور ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے "اے خدا میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو"[۳] لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ علومِ مفیدہ سے مراد صرف دینی وشرعی علوم ہیں بلکہ جس طرح نظامِ اسلامی شخصی اور ملی زندگی کے تمام مذہبی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی پہلوؤں کو شامل ہے۔ اسی طرح اسلام کی لغت میں علومِ مفیدہ سے مراد وہ تمام علوم ہوں گے جن سے انسان کی اجتماعی یا انفرادی زندگی کے کسی ایک گوشہ کی بھی تکمیل یا تعمیر ہوتی ہو۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں معلمین کو قرآن وحدیث کے درس پر مامور کرتے تھے۔ ساتھ ہی آپ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ مبادیِ طب، علم ہیئت، انساب، تجوید، نشانہ بازی، پیراکی اور تقسیم ترکہ کی ریاضی اور کتابت سیکھیں[۴] حضرت عمرؓ تاکید فرماتے تھے کہ "اپنی اولاد کو شعر اور نشانہ بازی سکھاؤ" اور جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ آنحضرتؐ نے بعض صحابہ کو عربی کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھنے کا بھی امر فرمایا تھا اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کے تمام علوم کو یہ فرما کر مردود قرار نہیں دیدیا کہ یہ سب

---

[۱] علم سے متعلق یہ احکام وہدایات حدیث کی اکثر کتابوں میں "کتاب العلم" کے زیرِ عنوان ملسکتی ہیں۔ [۲] ابن ماجہ باب فضل العلماء، [۳] مستدرک حاکم ج اص ۱۰۴۔ [۴] جامع بیان العلم لابن عبد البر وجمع الجوامع للسیوطی۔

غیر اسلامی ہیں بلکہ آپ نے ان میں سے ان علوم و فنون کو جو مفید تھے اور جو دینی زندگی کے علاوہ مسلمانوں کے لئے دنیوی زندگی میں کسی نہ کسی حد تک کام آسکتے تھے منتخب فرمایا اور اُن کو سیکھنے کا امر فرمایا البتہ ہاں! ان علوم و فنون کے برعکس جو فنون وہم و سفسطہ میں مبتلا کردینے والے تھے اور بجائے فائدہ مند ہونے کے سخت مضر تھے۔ مثلاً کہانت، آپ نے ان سے بچنے کا حکم دیا۔ اس بناپر اسلام کے نقطۂ نظر سے کسی مفتی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اجنبی زبان یا کسی اجنبی علم و فن کی تحصیل کو محض اس بناپر ناجائز قرار دیدے کہ وہ مسلمانوں کی زبان یا اسلامی علم و فن نہیں ہے بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کو خالص علمی اور افادی نقطۂ نظر سے علوم و فنونِ عصریہ پر نظر ڈالنی چاہیے اور جو علوم و فنون مفید نظر آئیں ان کو حاصل کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے۔

النَّاسُ عالمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ وسائرُهُمْ همجٌ [۵۱] — اصل انسان دو ہی قسم کے ہیں عالم یا متعلم۔ باقی سب گرے پڑے لوگ ہیں۔

ایک جگہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "دو شخصوں کی پیاس کبھی نہیں بجھتی ایک دنیا کے طلبگار کی اور ایک طالب علم کی" [۵۲]

اب آئیے یہ دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار فرمایا اور آپ نے کس طرح تدریجی طور پر عربوں کی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کو ابھارا جس کے باعث وہ جلد ہی علم و حکمت میں دانشورانِ روزگار کے استاد بن گئے۔

کتابت عہد جاہلیت میں | عام طور پر مشہور ہے کہ عربوں میں اسلام سے پہلے لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہیں تھا لیکن عہد جاہلیت کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب کم و بیش اس فن سے آشنا ضرور تھے، اس زمانہ کا ایک شاعر طفیل الغنوی کہتا ہے [۵۳]

---

[۵۱] العقد الفرید ج ۱ ص ۲۶۴۔ [۵۲] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۲

أأجرم ام جنی ام لم تخطوا لہ امنا فیوخذ فی الکتاب[۱]

ترجمہ:۔ اس نے کوئی جرم کیا تھا یا گناہ کیا تھا؟ یا تم نے اس کے لئے کوئی پروانہ امن کتاب میں نہیں لکھدیا تھا۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ بلاذری نے واقدی کی روایت سے ایسے لوگوں کے صرف سترہ نام گنائے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ میں لکھنا جانتے تھے، اور اوس وخزرج سے تعلق رکھتے تھے[۵۲]

کتابت سیکھنے کے لئے فرمانِ نبوی

یہ ظاہر ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے تحریر وکتابت کی تعلیم اس راہ کی پہلی منزل ہے۔ اس بناپر ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قید والعلم "تم علم کو مقید کرو (محفوظ رکھو) عبداللہ بن عمرو بن العاص اس وقت موجود تھے انھوں نے پوچھا" حضرت! علم کو کس طرح مقید کیا جائے؟ ارشاد ہوا" اس کو لکھکر"[۵۳]۔ حضرت عمرؓ بھی لوگوں کو حکم دیتے تھے قیدوا العلم بالکتاب"[۵۴]

چونکہ مسلمانوں میں لکھنا جاننے والے کم تھے اس لئے جنگ میں جو قیدی گرفتار ہوکر آتے اُن میں جو لوگ کتابت جانتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس شرط پر رہا کردیتے تھے کہ وہ دس مسلمانوں کو لکھنا سکھائیں گے جیسا کہ واقعۂ بدر میں ہوا۔ ان کے علاوہ مسلمانوں میں جو لکھنا جانتے تھے آپ انھیں حکم کرتے تھے کہ اپنے دوسرے ناواقف بھائیوں کو بھی سکھادیں۔ چنانچہ عُبادۃ بن صامت سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں اہلِ صفہ میں سے بعض لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا[۵۵]

نتیجہ یہ ہوا کہ قریش میں اور دوسرے قبائل میں لکھنے پڑھنے کا عام چرچا ہوگیا۔ چنانچہ عہد نبوت میں جن حضرات کے ذمہ کتابت کی خدمت تھی ان میں زید بن ثابت، خلفاء اربعہ، امیر معاویہ شامل ہیں۔

---

[۱] دیوان طفیل الغنوی گب میموریل [۵۲] فتوح البلدان باب امر الخط۔ [۵۳] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۶۔
[۵۴] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۶۔ [۵۵] ابوداؤد کتاب البیوع باب کسب المعلم۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ یہ کام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے کاتب خاص زید بن ثابت کے ساتھ عبداللہ بن خلف اور معیقب الدوسی بھی تھے حضرتِ عثمان کے عہد میں حمران بن ابان اور مروان بن الحکم کتابت کا کام کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن ابی رافع اور سعید بن نجران الہمدانی سے کتابت کا کام لیتے تھے لیکن یہ وہ حضرات ہیں جو کتابت میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور اس حیثیت سے مشہور تھے۔ ورنہ کاتبین کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صاحبِ مواہب لدنیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین کی نسبت لکھتے ہیں۔

واما کتابہ فجمع کثیر وجمٌّ غفیر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین کی تعداد بہت
ذکرھم بعض المحدثین فی تالیف لہٗ	زیادہ ہے۔ بعض محدثین نے صرف اسی موضوع
بدیع استوعب فیہ جملامن اخبارھم	پر عمدہ کتابیں تالیف کی ہیں جن میں ان کاتبین
ونبذاً من سیرھم واثارھم [1]	کے چیدہ چیدہ حالات اور کارنامے بیان کئے ہیں۔

صبح الاعشیٰ جلد اول میں بھی ان کاتبین کی ایک طویل فہرست مندرج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وایما سے جو صحابہ لکھنا جان گئے تھے ان کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن سعد طبقات میں ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے دوسرے فضائل ومناقب کے ساتھ نمایاں طور پر اس کا بھی ذکر کرتے جاتے ہیں کہ یہ لکھنا جانتے تھے۔

دوسری زبانوں کی تعلیم کا حکم

لکھنا جاننے کے علاوہ تحصیل علم کے لئے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ جن قوموں کی زبانوں میں علمی ذخیرے ہوں ان کی زبان سیکھی جائے۔ ہمارے طرزِ قدیم کے علما رکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سریانی زبان میں خطوط آنے لگے تو آپ نے

[1] زرقانی ج ۳ ص ۳۵۶

زید بن ثابت کو اس زبان کے سیکھنے کا امر فرمایا جس کی انھوں نے اتنی تعلیم حاصل کرلی کہ وہ عربی کی طرح سریانی میں بھی لکھنے پڑھنے کا کام کرلیتے تھے۔ ۵۱

ایک روایت میں وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی زبان سیکھنے کا امر فرمایا تو میں نے یہ زبان پندرہ دن میں سیکھ لی۔ پھر میں اس زبان میں آنحضرتؐ کی طرف سے یہود سے مراسلت کرتا تھا اور یہود کی جو تحریریں آپ کے نام آتی تھیں وہ بھی آپ کو پڑھکر سناتا تھا۔ ۵۲

صاحب عقد الفرید کا بیان ہے کہ زید بن ثابت نے ان زبانوں کے علاوہ دوسری زبانیں بھی مثلاً فارسی شاہ ایران کے سفیر سے۔ رومی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان سے۔ حبشی آپ کے ایک خادم سے اور قبطی آنحضرتؐ کے ایک دوسرے خادم سے سیکھی تھیں ۵۳ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کے ہاں سو غلام تھے جو مختلف زبانیں بولتے تھے۔ اور آپ ان میں سے ہر ایک سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے تھے ۵۴ حضرت عمرؓ بھی عبرانی زبان جانتے تھے چنانچہ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کردیا وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ ۵۵۔ چونکہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ اس بنا پر یہ یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ توریت کا عربی ترجمہ نہیں بلکہ خود اصل توریت ہی پڑھتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ صحیح روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوتا تھا حضرت عمرؓ اس میں شریک ہوتے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ

---

۵۱ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۲۔ ۵۲ فتوح البلدان ص ۴۶۰۔

۵۳ بحوالۂ الاسلام والحضارۃ العربیۃ لکرد علی ج ۱ ص ۱۶۳۔ ۵۴ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۹۔

۵۵ مسند دارمی مطبوعۂ کانپور ص ۶۲

پسند کرتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[51]

علوم وفنون کی ابتدائی صورت

قرآن مجید کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ تربیت سے صحابہ کرام میں جو علمی ذوق پیدا ہوگیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ وہ ہر چیز کو خواہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے بنگاہِ غور و خوض دیکھتے تھے۔ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اُسے دریافت کرتے تھے۔ اور جو صحابہ علم میں ممتاز تھے ان کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر بیان کی جاتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نسبت ارشاد فرمایا " ذاکم فتی الکھول ان لہ لسانا سؤلاً وقلباً عقولاً[52]۔ یہ ادھیڑ عمر کے لوگوں میں نوجوان ہیں بے شبہ ان کے پاس سوال کرنے والی زبان اور عقلمند دل ہے۔

اس موقع پر البتہ یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی دماغی اور ذہنی تربیت کر رہے تھے جو دنیا کی دوسری متمدن اور مہذب قوموں سے بالکل الگ تھلگ اپنے ایک خاص ماحول میں زندگی بسر کرنے کی عادی تھی۔ اور جس کے مخصوص خیالات وعقائد اس درجہ راسخ اور مضبوط تھے کہ ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکنا اور ان کے بجائے خالص اسلامی عقائد و تصورات کا اُن کے ذہن نشین کرنا۔ اور پھر اُن سے ایک عالمگیر اور صالح ترین نظامِ تمدن واجتماع کو چلانے کا کام لینا ہمہ تن یکسوئی اور ایک خاص اندازِ تربیت وتعلیم کا متقاضی تھا۔ اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں نہ علوم وفنون اپنے اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے مدون اور مرتب ہو سکتے تھے اور نہ یہ ممکن تھا کہ جب تک عربوں میں اسلامی وجدانِ صحیح پختہ تر نہ ہو جاتا انھیں دین کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہونے کا موقع دیا جاتا۔

ان وجوہ واسباب کی بنا پر اس عہد کے مسلمانوں میں جو علمی رجحانات پیدا ہوئے ان میں دو باتیں صاف طور پر نمایاں ہوتی ہیں۔

---

[51] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ ج ۱ ص ۲۳۳۔ [52] اتقان ج ۲ ص ۱۸۷۔

(۱) ایک یہ کہ مسلمانوں میں جو علمی افکار و احساسات پیدا ہوئے اور جنھوں نے دوسری صدی ہجری میں مستقل علوم و فنون کی صورت اختیار کرلی اُن پر خالص علمی رنگ کے بجائے دینی اور مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ یہ تمام علمی افکار و مسائل صرف قول و سماع تک محدود رہے اور رسمی طور پر تبویب و ترتیب کے ساتھ مدون نہ ہوئے۔ اب ہم ذیل میں اس کی تشریح کرتے ہیں۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم آب و گل میں جلوہ فرما رہے فرزندان اسلام کا حال یہ رہا کہ انھیں زندگی میں جو ضرورت پیش آتی تھی اس کے متعلق بے تکلف آپ سے دریافت کرلیتے تھے اور آپ یا تو اس کا جواب فوراً ارشاد فرما دیتے تھے یا وحی کا انتظار کرتے اور اس کے بعد جواب دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ سے جو بات پوچھی جاتی تھی آپ اس کا تشفی بخش جواب دیکر سائل کو معقولیت سے قائل کرتے تھے محض عقیدت کے جوش سے کسی کو خاموش نہیں کرتے تھے اس بنا پر صحابہ کرام بھی قرآن مجید کی ایک ایک آیت اور آپ کے ایک ایک ارشاد پر خوب غور و تدبر کرتے تھے چنانچہ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تھے تو جب تک ان کی علمی اور عملی حقیقت کو نہیں جان لیتے تھے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نگاہوں میں بڑا ہو جاتا تھا[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام عرب سے نکلکر دوسرے ملکوں میں گئے ان ملکوں کی قوموں سے میل جول پیدا ہوا حکومت اسلامی کے حدود وسیع ہوئے تو اسی اعتبار سے زندگی کے مسائل اور ضرورتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور اب انھوں نے کتاب و سنت کو اصل قرار دیکر ان سے احکام و مسائل کا استنباط شروع کردیا۔ اس تقریب سے ان کو اصول و فروع کی تشخیص و تعیین کرنی پڑی۔ یہی اصول و فروع آگے چل کر باقاعدہ مدون و مرتب ہوگئے تو اُن پر اصولِ فقہ کی عمارت کھڑی ہوئی۔ پھر چونکہ ایک طرف

---

[۱] مسند احمد بن حنبل۔

صحابۂ کرام کا مذاق علمی تھا اور دوسری جانب کتاب وسنت یہی دو چیزیں اسلامی حیات کا سرچشمہ تھیں اس لئے کتاب وسنت کے ہی تعلق سے بہت سے علوم پیدا ہوگئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان میں صرف ان علوم کی تعداد اسّی بتائی ہے جو قرآن مجید سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن پر علمائِ اسلام نے مستقل اور ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں [۵۱] علوم القرآن کے علاوہ جو علوم صرف حدیث کے تعلق سے معرضِ وجود میں آئے۔ مقدمۂ ابن صلاح میں ان کی تعداد ۶۵ بتائی گئی ہے[۵۲] یہ ظاہر ہے کہ ان علوم نے اگرچہ باقاعدہ تدوین کی صورت بعد میں اختیار کی لیکن ان کا ہیولیٰ صحابہ کرام کے اقوال واعمال آثار، واجتہادات اور طرقِ استنباط واستخراجِ احکام سے ہی تیار ہوا ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید اور سنت کے تعلق سے جو علوم معرضِ وجود میں آئے وہ سب دینی اور شرعی علوم وفنون ہیں۔ نہیں۔ بلکہ قرآن وسنت کے اکثر وبیشتر مسائل ایسے ہیں جن کی علمی تفہیم اور عقلی تشریح اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ انسان ان علوم میں کافی بصیرت نہ رکھتا ہو جن کو ہمارے زمانہ میں تعلیمِ جدید کے نصاب کے علوم یا دنیوی علوم کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید دعوت دیتا ہے کہ ہم گردشِ لیل ونہار، تغیراتِ موسمی۔ چاند سورج اور ستاروں کا طلوع وغروب۔ طوفانوں اور زلزلوں کا آنا۔ بعض خاص خاص نباتات حیوانات اور جمادات ان سب کو بہ نظرِ غور دیکھیں تو اب یہ ظاہر ہے کہ ہم قرآن مجید کی اس دعوت کے منشا سے اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ آسمان کی حقیقت کیا ہے؟ سورج اور چاند اور ستارے کیوں ہمیں کبھی نظر آتے ہیں اور کبھی نظر نہیں آتے۔ موسموں کا تغیر وتبدل کن اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حیوانات۔ نباتات اور جمادات ان کے انواع واصناف کیا کیا ہیں؟ اور پھر ہر نوع اور صنف کی نوعی اور صنفی خصوصیتیں کیا ہیں؟ اسی طرح قرآن مجید میں اُممِ قدیمہ کا ذکر بار بار آیا ہے، تو اب ہر وہ شخص جو قرآن کا علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتا ہے اس کے لئے یہ جاننا ناگزیر ہوجاتا ہے کہ یہ قومیں

---

[۵۱] الاتقان فی علوم القرآن از ص ۱۲۵ تا ص ۱۳۳ - [۵۲] مقدمۂ ابن صلاح ص ۶

کون تھیں؟ کہاں آباد تھیں؟ کس طرح بنیں اور بن بن کر بگڑ گئیں؟ اور کب سے کب تک آباد رہیں؟ پھر بگڑیں تو ان کے بگڑنے اور تباہ و برباد ہونے کے اسباب کیا تھے؟ ان کے علاوہ قرآن جنگ اور امن دونوں کے زمانوں کے متعلق ایک پورا نظامِ اجتماعی پیش کرتا ہے جس میں ملک کا مالی نظم و نسق، مختلف محکموں اور اداروں کی ترتیب، دوسری قوموں سے تعلقاتِ تجارت، ملک کے اقتصادی اور معاشی ذرائع و وسائل کا استعمال، مجرموں کو سزائیں دینے اور لوگوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے عدالتوں کا قیام اور انتظام۔ یہ تمام چیزیں اصولی اور اساسی طور پر بیان کی گئی ہیں۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ تمدن جتنا جتنا وسیع ہوتا جائیگا۔ اسی قدر ان مسائل میں ترتیب و تدوین اور طریقِ غور و خوض کے اعتبار سے وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ اس بنا پر قرآن ان احکام کی تعلیم دیکر ہم کو اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ ہم علم اقتصادیات۔ قانون اور علم عمرانیات سے بھی واقفیت بہم پہنچائیں تاکہ ان علوم کی روشنی میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے قوانین و احکام کی تشریح کر سکیں اور قرآنی نظریات و اصول کا دوسرے نظریات و اصول سے مقابلہ و موازنہ کر کے قرآنی نظریات کے علمی پہلوؤں پر بصیرت کے ساتھ حاوی ہو سکیں۔

پھر وفی انفسکم افلا تبصرون۔ کو اور انسانی خلقت و آفرینش کے مختلف مدارج و مراتب کو بیان کر کے قرآن ہم کو اس بات کی بھی دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے وجود کی حقیقت۔ اعضاء کی ترکیب، ان کا طبعی نشو و نما اور روح اور جسم کے اتصال کی کیفیت۔ پھر اعضاء کے مختلف عوارض و خواص وغیرہ ان تمام چیزوں کا علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا اعتراف کریں۔

یہاں اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید ہم کو جو ان تمام کائناتِ عالم میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم ایک خاص نظم و نسق کے ماتحت چل رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں سلسلۂ اسباب و مسببات اور رشتۂ علل و معلولات کے ساتھ وابستہ ہیں ورنہ اگر ان اشیاء میں کوئی خاص ہم آہنگی اور یکسانیت نہ پائی جاتی تو پھر ان میں کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جو ہمارے

لئے دعوتِ غور وفکر کا موجب بنتی۔ اب جو ہم کو ان چیزوں میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اُس کے معنیٰ یہی ہیں کہ ہم سلسلۂ اسباب ومسببات کو تحقیقی نظر سے دیکھیں اور پھر یہ معلوم کریں کہ آخر سبب میں سببیت اور علت میں علّیت کہاں سے آئی۔ اس طرح ہم خدا کی عظمت وبرتری کے تصور تک پہنچ سکیں گے۔

ان تعلیمات کے ذریعہ قرآن مجید نے صحابۂ کرام میں جو علمی ذوق پیدا کر دیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن نے جن چیزوں کی طرف اجمالی اشارے کئے تھے صحابۂ کرام اپنے ماحول میں ان اشاروں کی تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں اُممِ قدیمہ کا ذکر ہے۔ عرب کے احبار یہود کو اپنی مذہبی کتاب کے توسل سے ان قوموں کے متعلق کچھ زیادہ معلومات تھیں اس لئے صحابہ کرام اپنے ذوقِ جستجو کو تسکین دینے کے لئے ان سے اُممِ قدیمہ کے حالات دریافت کرتے تھے لیکن چونکہ ان لوگوں کی آسمانی کتاب محرف تھی اور اس میں اصلی واقعات کے ساتھ بعض من گھڑت افسانے بھی شامل ہوگئے تھے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوتا تھا تو آپ منع فرمادیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آپ نے صحیفۂ یہود دیکھا تو اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ بہرحال اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام کو معلومات حاصل کرنے کا ذوق تھا اور یہ سب کچھ قرآنی تعلیم کا صدقہ تھا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسرائیلی روایات پر روک ٹوک کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے ہم کو وہی ذرائع اختیار کرنے چاہئیں جن سے ہم کو علم صحیح کی دولت مل سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو اسرائیلی روایات صحیح تھیں صحابہ میں ان کی کافی اشاعت ہوئی۔ اسی طرح صحابہ کو اگر قرآن مجید کے کسی لفظ کے معنیٰ اور مفہوم کا یقین نہیں ہوتا تھا تو وہ عہدِ جاہلیت کے اشعار سے استدلال کرتے تھے اور ان کی روشنی میں قرآنی لفظ کے معنیٰ کی تعیین کرتے تھے۔

(باقی آئندہ)